مسلم دنیا

سانحہ غزہ

منظر پس منظر

عبد الغفار عزیز

۲۱ جولائی ۱۹۹۳ کو یاسر عرفات کے سیاسی مشیر نبیل شعث کے ساتھ اسرائیلی وزیر خارجہ ماحولیات یوسی سرید نے قاہرہ میں خصوصی مذاکرات کیے۔ ان مذاکرات کے بعد اسرائیل واپس آتے ہی اسرائیلی ریڈیو کو انٹرویو دیتے ہوئے یوسی سرید نے کہا: ''اسرائیلی حکومت کو چاہیے کہ وہ یاسر عرفات کی صدارت میں فلسطینی لیڈرشپ کو تسلیم کرلے کیونکہ بنیاد پرست تحریک حماس کے مقابلے کے لیے یاسر عرفات ہی ہمارا بنیادی حلیف ہے''۔

انھی دنوں میں اسرائیل کی حکمران پارٹی لیبر پارٹی کے جنرل سیکرٹری نسیم زفیلی نے بھی ریڈیو اسرائیل کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا: ''فلسطینی نیم خود مختاری کے مجوزہ منصوبے میں اسرائیلی فوج یاسر عرفات کی مکمل حفاظت کا ذمہ لے گی۔ اسرائیلی انتظامیہ کی یہ کوشش ہوگی کہ وہ معتدل فلسطینی عناصر کو ہرممکنہ مدد دے تاکہ تحریک حماس کو اپنی حدود سے تجاوز کرنے سے باز رکھا جاسکے۔''

۸ ستمبر ۱۹۹۳ کو شائع ہونے والے رسالے کرسچین سائنس مانیٹر کو انٹرویو دیتے ہوئے ڈانی روبنشٹائن نے کہا: ''وزیراعظم اسحق رابین نے اپنا موقف بنیادی طور پر اس لیے تبدیل کیا ہے کہ بنیاد پرست تیزی سے مضبوط ہوتے جارہے تھے۔ ان بنیاد پرستوں کے خوف کی وجہ سے ہی اسحق رابین نے یاسر عرفات کی پی ایل او سے روابط بڑھائے ہیں''۔ اسی رسالے میں ذکریا القاق نامی معروف تجزیہ نگار نے بھی اپنی اس رائے کا کھلم کھلا اظہار کیا کہ اسرائیل حماس کو اپنا دشمن نمبرایک سمجھتا ہے اور اس لحاظ سے اسرائیل اور پی ایل او کا ایک مشترک ہدف یہ ہے کہ حماس کو روکا جائے۔

واشنگٹن پوسٹ کے ایک اور صحافی ڈیوڈ ہوومین نے بھی دیگر بہت سے صحافیوں کی طرح یہی تجزیہ کیا: ''متعدد تجزیہ نگار یہ بات لکھ رہے ہیں کہ اسحق رابین کی یاسر عرفات سے معاہدے میں عجلت، مجاہد اسلامی لہر کو کمزور کرنے کی خاطر تھی کیونکہ یہی اسلامی لہر امن مذاکرات کی کامیابی کے لیے اصل خطرہ ہے''۔

ان بیانات اور تجزیوں کے سائے میں ۱۳ ستمبر ۹۳ کو بل کلنٹن کے دست شفقت تلے عرفات اور رابین نے غزہ اریحا نامی معاہدہ کیا' تو پوری دنیا میں محبان اسلام کو اپنے قبلہ اول سے دست برداری کا اعلان سننے پر انتہائی کرب محسوس ہوا۔ اور ان کا یہ خدشہ بھی سوا ہو گیا کہ قبلہ اول کی آزادی تک جہاد جاری رکھنے کا عزم رکھنے والی تحریک' حماس کو اب پہلے سے بھی زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۱۳ ستمبر ۹۳ سے ۱۸ نومبر ۹۴ تک بہت سے ایسے افسوسناک لمحات آئے جن میں یہ خدشات حقیقت بنے' لیکن ۱۸ نومبر کو فلسطین کے شہر غزہ میں ایک ایسا سانحہ ہوا جس کے سامنے صبرا' شاتیلا' دیریاسین اور مسجد ابراہیمی میں یہودیوں کے ہاتھوں ہونے والی قتل و غارت گری بھی ہیچ نظر آئے۔ اس سانحے کی تفصیلات بتاتے ہوئے حماس کے ایک اہم مرکزی رہنما محمد نزال کہتے ہیں:

حماس نے اعلان کیا تھا کہ ۱۸ نومبر کو نماز جمعہ کے بعد غزہ کی مسجد فلسطین سے ایک علامتی جنازہ اس شہید کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے نکالا جائے گا جس نے آپریشن سلام میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی تھی۔ نماز جمعہ کے بعد ہزاروں کی تعداد میں فلسطینی عوام ہشام حمد شہید کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے مسجد فلسطین کے باہر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ لیکن انھیں اس وقت شدید حیرت ہوئی جب جزوی خود مختاری کے نام سے قائم ہونے والی فلسطینی انتظامیہ کی پولیس فورس نے ان مظاہرین کو فوراً منتشر ہو جانے اور جلوس نہ نکالنے کا حکم دیا۔

جب عوام نے منتشر ہونے سے انکار کرتے ہوئے شہید کا علامتی جنازہ نکالنے پر اصرار کیا' تو فلسطینی ادارے کی پولیس نے اپنے ہی فلسطینی بھائیوں پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ اس کے نتیجے میں ۱۴ فلسطینی مسلمان شہید اور ۲۰۰ کے قریب شدید زخمی ہو گئے"۔

اس سانحے کی خبر جب غزہ کے دوسرے علاقوں میں پہنچی' تو علاقہ کے تمام فلسطینی باشندے دیوانہ وار سڑکوں پر نکل آئے۔ اس خونی واردات پر احتجاجی جلوسوں کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا جو رات گئے تک جاری رہا۔ بعد میں یہ سلسلہ رفح اور خان یونس تک بھی پھیل گیا۔ ہزارہا افراد نے حماس کی حمایت میں جلوس نکالے۔ زخمیوں میں سے پانچ کی حالت خطرناک تھی۔ ان میں سے ایک زخمی اگلے روز دم توڑ گیا جس سے فلسطینیوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے فلسطینیوں کی تعداد ۱۵ ہو گئی۔

اس سانحے کے بارہ میں تجزیہ نگاروں کا سب سے پہلا تاثر یہ تھا کہ گزشتہ دنوں فلسطین میں یہودیوں کے خلاف حماس کے مجاہدین نے متعدد کامیاب آپریشن کر کے نیم خود مختار عرفات انتظامیہ کو یہودی حلیفوں کے سامنے رسوا کر کے رکھ دیا تھا' اور ان کارروائیوں کے بعد یاسر عرفات پر اسرائیل اور امریکا کا یہ دباؤ بہت بڑھ گیا تھا کہ وہ حماس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کے لیے اپنی صلاحیتوں کا عملی ثبوت دے ورنہ ــــ اور (بقول ڈاکٹر فتحی شفاقی جنرل سیکرٹری تحریک جہاد اسلامی) یاسر عرفات

نے ذاتی طور پر احکامات جاری کرتے ہوئے حماس کا یہ جلوس بزور بندوق کچل دینے کا عملی اقدام کر دیا۔

اس اقدام کا نتیجہ اگرچہ حماس کی مقبولیت میں مزید اضافے اور یاسر عرفات کے خلاف فلسطینی عوام کی نفرت کی صورت میں نکلا ہے لیکن عرفات اور اس کے ہمنوا اسرائیل اور امریکا سے اس قتل عام کی اجرت پانے کے لیے بے تاب نظر آتے ہیں۔ مصری صدر حسنی مبارک نے ۲۱ نومبر کو لندن میں برطانوی وزیراعظم جان میجر سے ملاقات کے بعد پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "فلسطینی نیم خود مختار ادارے کو مغرب کی طرف سے مالی امداد کا نہ ملنا فلسطین میں صورت حال کو گھمبیر بنانے کا سبب بنا ہے۔ مشرق وسطیٰ میں اگر امن کے اقدامات جاری رکھنا ہیں تو نیم خود مختار ادارے کو بلاتاخیر امداد دی جائے۔" اس سے پہلے ۱۸ نومبر کو (جب غزہ میں قتل عام جاری تھا) لندن میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے حسنی مبارک نے کہا تھا کہ اگر وعدے کے مطابق یاسر عرفات کو ۲ء۲ ارب ڈالر کی امداد نہ دی گئی، تو فلسطین کے بنیاد پرست عناصر وہاں ایک اور افغانستان وجود میں لا سکتے ہیں، اس لیے یاسر عرفات کو فوراً موعودہ امداد فراہم کی جائے"۔

اس سانحے کی سنگینی اور اس پر اپنے اپنے اندازے سے ردعمل کے باوجود یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم رہے گی کہ موجودہ مرحلے میں یاسر عرفات اور حماس دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مزید مسلح تصادم کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ یاسر عرفات، تو اس لیے کہ اس سے حماس کی قوت پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے بڑھے گی اور خود فلسطینی پولیس کی صفوں میں بغاوت کے امکانات پیدا ہوں گے، اور حماس، اس لیے کہ وہ اسرائیل سے اپنی توجہ کو بٹنے نہیں دینا چاہتی۔ اسی لیے اس سانحے کے بعد حماس نے اپنے ایک ہنگامی بیان میں اپنے تمام مجاہد نوجوانوں کو یہی ہدایات دی ہیں کہ وہ اس سانحے کا انتقام یہودیوں سے لیں، کیونکہ انھی کی شہ پر عرفات کے مریل ادارے نے یہ اقدام کیا ہے۔ اس موضوع پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے محمد نزل کا کہنا ہے: "اسرائیل کے سامنے مضبوط مزاحمت اور فلسطینی نیم خود مختار ادارے سے عدم تصادم ایک مشکل فارمولا ہے لیکن ہمارے سامنے ان خطرناک اور مشکل حالات میں کام کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا اصل دشمن اسرائیل بے حد سفاک ہے۔ ہم صبر، حکمت اور قربانی کے جذبے سے آگے بڑھتے رہیں گے"۔